AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No.3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

ڈاکٹر اکرم عتیق کی نظمیہ کائنات

POETIC REALM OF DR. AKRAM ATTIQUE

ڈاکٹر محمد شفیق آصف

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو یونیورسٹی آف سرگودھا

محمد عمیر آصف

پی ایچ ڈی اسکالر اردو الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد کیمپس

Dr. Muhammad Shafiq Asif
Assistant Professor, Department of Urdu, University of Sargodha.
Muhammad Umair Asif
PhD Scholar Urdu, Alhamd Islamic University, Islamabad Campus.

Abstract
Dr. Akram Attique is a brilliant Creative writer of Urdu Poem. His poetry expresses modern feelings. Dr. Akram Attique has explained the various aspects of life and the problems of society through his thoughts. Human feelings and social contradictions are visible in his poetry. He is a creator with a mature vision. In this research paper, the theoretical dimensions of the poem have been discussed along with the Original text of poem. This is a model of descriptive criticism in which the mental horizon of the creator is discussed scientifically.

نظم شاعری کی ایک توانا صنف ہے۔ اردو میں نظم کے لغوی معنی موتیوں کو ایک لڑی میں پرونے کے ہیں، تاہم یہ ایک اہم شعری اصطلاح کے طور پر ادب میں مقبول ہوئی ہے۔ دوسری شعری اصناف کے مقابلے میں نظم کو بیسویں صدی میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ البتہ اردو نظم کی مختلف اشکال اور ہیئتیں اس کے تخلیقی سفر کا حصہ رہیں۔ اردو نظم کی مقبول ترین ہیئتوں میں مخمس، مسدس، معریٰ، نظم آزاد اور نثری نظم شامل ہیں۔ نظم کے حوالے سے معروف محقق اور نقاد ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے بہت پتے کی بات کی ہے:

"دراصل نظم وہی ہے جو ہر بار اپنی ایک نئی ہیئت لے کر بر آمد ہو۔"(۱)

اور پھر دوسری عالمی جنگ نے اردو کی نظمیہ شاعری کو ایک نیا موڑ دیا۔ ترقی پسند نظم نگاروں نے اپنی نظم میں ترقی پسندانہ خیالات اور موضوعات کو مؤثر پیرائے میں بیان کیا۔ اس سلسلے میں فیض احمد فیض، اسرار الحق مجاز، علی سردار جعفری، ساحر لدھیانوی، کیفی اعظمی، مخدوم محی الدین، احمد ندیم قاسمی، حمایت علی شاعر اور مجروح سلطان پوری کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ پروفیسر آل احمد سرور رقم طراز ہیں:

"آزاد نظم فن کے قیود سے آزادی کا نام نہیں، بلکہ فن کے ساتھ ایک تازہ اور دوسروں سے زیادہ گہری وفاداری کا نام ہے، یہ چند معمولی قیود سے آزادی اس لیے حاصل کرتی ہے کہ بعض گہری ذمہ داریوں سے عہدہ بر آ ہو سکے۔"(۲)

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No.3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

پروفیسر آل احمد سرور کی مندرجہ بالا رائے کو دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ترقی پسند شاعری کی روایتی پابندیوں اور قیود سے آزادی حاصل کر کے سماج اور سماجی ناہمواریوں کے حوالے سے اظہار کرتے ہیں۔ انجمنِ ترقی پسند مصنفین کے فوراً بعد حلقہ اربابِ ذوق کی تحریک نمودار ہوئی، جس میں داخلیت، رومانیت اور خارجیت جیسے عصری میلانات کو نظمیہ پیرائے میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی۔ حلقہ اربابِ ذوق کے شاعروں میں میراجی، ن۔م راشد، مجید امجد، ضیا جالندھری، قیوم نظر، وزیر آغا اور یوسف ظفر جیسے نظم نگاروں کے نام نمایاں ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

"نظم بنیادی طور پر تاثرات کے تجزیاتی مطالعے کا ایک وسیلہ ہے اور اس خاص میدان میں اس کا کوئی حریف نہیں۔"(۳)

اردو نظم میں راشد اس لیے بھی اہم شاعر ہے کہ اس نے آزاد نظم کی ہیئت کو مقبولیت عطا کرنے کے ساتھ ساتھ نئے شعری تناظرات کو بھی موثر انداز میں پیش کیا۔ جدید اردو نظم پر طائرانہ نظر ڈالیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ بیسویں صدی کے وسط سے لے کے اکیسویں صدی کی پہلی دو دہائیوں تک اردو نظم کے مؤثر ترین میڈیم آزاد نظم اور نثری نظم ہی ہیں۔ جیلانی کامران رقم طراز ہیں:

"نظم کا لسانی پیکر، زبان، علامتوں اور استعاروں سے مل کر پیدا ہوتا ہے اور یہ اجزا فکری نظام اور شاعر کی تہذیبی تربیت سے براہ راست وابستہ ہوتے ہیں۔"(۴)

گذشتہ تیس سال کی نظمیہ شاعری میں نوجوان نسل کے نظم نگاروں کا کردار بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں ایک اہم نام ڈاکٹر اکرم عتیق کا ہے۔ ڈاکٹر اکرم عتیق وہ اہم شاعر ہے جس نے غزل میں نام پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اردو کی نظمیہ شاعری کو بھی ایک منفرد اسلوب عطا کیا ہے۔ ڈاکٹر اکرم عتیق کی شعری کتب شائع ہو کر پذیرائی کے مراحل سے گزریں، تاہم ان کی نظمیہ شاعری "ماہِ نو، ادبِ لطیف، سیپ، نمود، تخلیق، انگارے، پاک جمہوریت،، ہفت روزہ زندگی اور روزنامہ جنگ" جیسے موقر رسائل و جرائد میں تسلسل سے شائع ہوئی۔ اکرم عتیق عصرِ حاضر کے وہ اہم نظم نگار ہیں جن کی نظمیں فکری، فنی اور اسلوبیاتی سطح پر اپنا ایک الگ تشخص قائم کرتی دکھائی دیتی ہیں، ہر چند کہ انھوں نے بیسویں صدی کے تمام اہم نظم نگاروں کی شاعری کو بھی پڑھا ہے۔ تاہم ان کا فکری کینوس اپنے عصر سے مکمل طور پر مربوط ہے۔ وہ اپنے عہد کی سیاسی، سماجی اور نفسیاتی صورتِ حال کی تخلیقی سطح پر نقش گری کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ایک ترقی پسند اور حقیقت نگار سخن ور ہیں۔ وہ اپنے عہد کی جمہوری صورتِ حال کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک روشن فکر اور سوچ ایک عصری سچائی کا درجہ رکھتی ہے۔ اس حوالے سے جیلانی کامران کی یہ بات بہت اہمیت رکھتی ہے:

"نئی نظم کے شاعر کی ذمہ داریاں پہلے شاعروں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔"(۵)

اس ضمن میں اکرم عتیق کی نظم "روشنی کھو گئی" کا ایک ٹکڑا ملاحظہ ہو:

اسے ہم نے دیکھا!
وہ جذبوں، امنگوں کی بھرپور تصویر و تحریک بن کر
وطن کی محبت سے سرشار، لَوٹی!
دلوں کو مسخر کیے جا رہی تھی
وہ جلسوں، جلوسوں میں
انبوہِ انساں سے ہوتی مخاطب
تو کانوں میں گویا نظام کہن ٹوٹنے کی صدا گونجتی تھی
دلوں میں نئے ولولوں کا جہاں جاگتا تھا
اور آنکھوں کو آتے دنوں کے اجالے کی تنویر کی جگمگاہٹ ضیا بخشتی تھی
مگر کیا ہوا!
پھر وہی تو ہوا

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No.3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

جو کہ میرے وطن کی سیاست میں ہوتا چلا آرہا ہے:

اجالے کی کرنوں سے محروم کرنا
امیدوں کے پھولوں کو بے درد بن کر کچلنا
اُمنگوں کے محلوں کو مسمار کرنا
وہی تو ہوا!
روشنی کی کرن پر سیاہی کے عفریت کا پھر سے حملہ ہوا
روشنی کھو گئی!

اکرم عتیق کی مذکورہ بالا نظم کے فکری پھیلاؤ کو دیکھیں تو اس میں بے نظیر بھٹو کی تصویر جھلملاتی ہوئی نظر آتی ہے۔اس نظم میں عوام کی امنگوں،وطن کی محبت،نئے ولولوں کا جہان اور پھر روشنی کی کرن پر سیاہی کے عفریت کا حملہ ایسی صورتِ حال کا بیانیہ ہے جو وطن پاک پر شروع دن سے مسلط کر دیا گیا ہے۔وہ اس گمبھیر سوال کے جواب کو اپنی نظم کے بطون سے ظاہر کرنے کی تخلیقی کاوش کرتے ہیں :

مگر اک سوال ایسا گمبھیر ہے
جو ہمیشہ سے میرے وطن کا مقدر رہا ہے :
کبھی کس نے جانا!
یہ کس نے بتایا؟
درندے کہاں ہیں،
درندوں کی آماج گاہیں کہاں ہیں،
درندوں کی آماج گاہوں کے پیچھے
وہ دستانے پہنے،نقابوں کو اوڑھے ہوئے کون ہیں؟

ڈاکٹر اکرم عتیق کی یہ نظم ترقی پسندانہ سوچ اور مزاحمتی رویوں کی آئینہ دار ہے۔وہ روشنی کی حکم رانی کے خواہاں ہیں اور ظلمتوں کے خلاف ایک موثر آواز بن کر ابھرے ہیں۔ڈاکٹر اکرم عتیق کی نظم نگاری کا سفر خوش رنگ بھی ہے اور خوش فکر بھی۔وہ اپنی نظموں کے بطون میں صدیوں میں بدلتے ہوئے لمحوں کو قید کرنے کا فن بھی جانتے ہیں۔ان کی شعری کائنات میں احساسات کا ایک ایسا جہانِ معنی آباد ہے جو ان کے محسوسات کا احاطہ کرتا ہے۔اس حوالے سے ان کی نظم "ڈائری کے جو اوراق لکھے گئے" کا ایک ٹکڑا ملاحظہ ہو:

یکم جنوری سے دسمبر کی اکتیس تاریخ تک
ڈائری کے جو اوراق لکھے گئے
تجھ سے منسوب ہیں
میرے اَطوار اور میری باتوں پہ
تیرے عمل،تیرے ردِ عمل کے اشاروں کنایوں سے معمور ہیں
تیرے انداز و گفتار سے مرتعش ہوتی چاہت سے مسحور ہیں
تیری ناراضگی،تیرے شکووں میں پنہاں محبت سے مسرور ہیں

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No.3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

سال میں ڈائری کے جو اوراق لکھے گئے

تجھ سے منسوب ہیں

ڈاکٹر اکرم عتیق کی یہ نظم ہمیں انگریزی زبان کے ان رومانوی نظم نگاروں کی نظمیہ کائنات میں لے جاتی ہے جو انگریزی ادب کا معتبر ترین حوالہ ہیں۔ڈاکٹر اکرم عتیق اپنی اس نظم میں جو رومانوی فضا اجاگر کرتے ہیں،وہ انسان سے کائنات کی محبت تک پھیلی ہوئی ہے۔اس نظم میں انسانی احساسات اور محبت کی کرشمہ سازی کو اہلِ دل بہ خوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ایسی نظمیں زندگی کا جواز بنتی ہیں،ایک ایسی زندگی جو انسان کے اندر گداز اور احساس کو فزوں تر کر دیتی ہے اور ڈاکٹر اکرم عتیق کا یہ تخلیقی امتیاز تمثیل سے معمور ہے۔ریاض احمد لکھتے ہیں:

"جدید نظم کی امتیازی خصوصیت اس کا تمثیلی انداز ہے۔"(۶)

ڈاکٹر اکرم عتیق کی نظمیہ کائنات میں اس نوع کی اور نظمیں بھی جھلملا رہی ہیں،جن میں ان کی نظم "بھول نہ جانا" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے:

پچھلے سال کی باتیں

بھول نہ جانا

اور اگر تم بھولنا چاہو

دھیان میں رکھنا!

عہد بھلانے کا کرنا تو

عہد کو بھول نہ جانا

اور اگر پھر گزرے دن اور بیتے لمحے

بھول بھی جاؤ

تو میں سمجھوں گا

بات کوئی تو اس نے میری یاد رکھی تھی

اکرم عتیق کی اس نظم کا موضوع عمومی ہونے کے باوجود بہت خاص بھی ہے اور اس خاصیت میں ان کا اسلوب اپنا بنیادی کردار ادا کرتا ہے کیوں کہ ڈاکٹر اکرم عتیق اس بات کا مکمل ادراک رکھتے ہیں کہ کسی نظم کو کس طرح Twist دینا ہے اور ان کا یہی Twist ان کے شعری اسلوب کو مستحکم کرتا ہے۔ڈاکٹر اکرم عتیق کی نظم "بھول نہ جانا" کا موضوع بہت عام ہونے کے باوجود اظہاریت کے اعتبار سے خاصیت کا حامل ہے اور یہی وصف انھیں اسلوبیاتی حوالے سے اپنے ہم عصروں سے الگ کرتا ہے۔

ڈاکٹر اکرم عتیق معروضی زندگی سے جڑا ہوا نظم نگار ہے۔وہ بساطِ زیست پر ہونے والے کھیل تماشوں کی حقیقت سے بھی مکمل جان کاری رکھتا ہے۔اس حوالے سے ان کی یہ نظم دیکھیے:

بساطِ زیست پر اپنی بھلا اوقات ہی کیا ہے!

کبھی پٹتے ہوئے مُہرے

کبھی ہم کارگر ٹھہریں:

اگر پٹ جائیں تو رو دیں،

اگر ہوں کارگر ہنس دیں:

مگر مُہرے تو بس مُہرے ہی ہوتے ہیں؛

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No.3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

کھلاڑی کھیلتا ہے
کھیل میں مصروف رہتا ہے
وہ اپنے کھیل سے محظوظ ہوتا ہے
ہمارے رونے ہنسنے کی حقیقت ہی بھلا کیا ہے!

(بساطِ زیست پر)

ڈاکٹر اکرم عتیق کی اس نظم کا موضوع سیاسی اور سماجی نوعیت کا ہے۔ وہ کھلاڑی کی چالوں اور مہروں کے پٹنے اور پھر کار گر ہونے کو نا صرف عمیق نظری سے دیکھتے ہیں بلکہ وہ اسے انسانی زندگی کے وسیع تناظر میں دیکھتے ہیں۔ ڈاکٹر اکرم عتیق کی یہ نظم عالمی تناظر بھی رکھتی ہے کیوں کہ نو آبادیاتی عہد کے بعد عالمی سطح پر جو نئی سامراجی پالیسیاں وضع کی جارہی ہیں ڈاکٹر اکرم عتیق ان سے بے خبر نہیں ہیں۔ ان کا نظمیہ کینوس بے حد وسیع اور بسیط ہے۔

کو ہمہ وقت دھیان میں رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کی نظموں "دسمبر جارہا ہے، دسمبر جانتا ہے، دسمبر کیسے گزرا ہے" کا تذکرہ از حد ضروری ہے۔ ڈاکٹر اکرم عتیق کی یہ تینوں نظمیں دسمبر کے حوالے سے ہونے والی نظمیہ شاعری سے قدرے مختلف ہیں۔ ان نظموں میں ڈاکٹر اکرم عتیق موسم، وقت، مظاہر اور محبوب کو ایک ہی آئینے میں دیکھتے ہیں۔
اکرم عتیق کی نظمیہ کائنات ایک ایسے شعری منطقے کی سر گزشت ہے جو مجھے اپنے احساس کے قریب محسوس ہوتی ہے اور بلاشبہ ہر اہلِ دل اس کی تصدیق کرے گا۔

حوالہ جات

۱۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، "اردو شاعری کا فنی ارتقا" دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔ ۱۹۹۴ء۔ ص ۱۲۴
۲۔ آل احمد سرور، پروفیسر، "ادب اور نظریہ"، ادارہ فروغِ اردو لکھنؤ، ۱۹۵۲ء، ص ۲۹
۳۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، "تنقید اور احتساب"، جدید ناشرین لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۴۶
۴۔ جیلانی کامران، "نئی نظم کے تقاضے"، لاہور: مکتبہ معیار، ۱۹۶۵ء، ص ۱۰۸
۵ جیلانی کامران، "نئی نظم کے تقاضے"، لاہور: مکتبہ معیار، ۱۹۶۵ء، ص ۱۵
۶۔ ریاض احمد، "ریاضتیں"، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۶ء ص ۳۴